
خواجہ سرا
ڈاکٹر زوہا آصف

خواجہ سرا زوہا آصف

افسانہ

نوٹ:

اس افسانے کے تمام جملہ حقوق رائٹر زوہا آصف کے نام محفوظ ہیں۔

کسی بھی فرد یا ادارے یا دوسری ویب سائیٹ کو رائٹر کی اجازت کے بغیر اس کی اشاعت کا اختیار نہیں۔

ایسا کرنے والے کے خلاف قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔

شکریہ

زوہا آصف

ZOHA ASIF

انتساب

ان سب لوگوں کے نام جو صرف مختلف تھے، غلط نہیں۔

ZOHA ASIF

رات کا گہرا سایہ ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ ایسی تاریکی میں کانوں میں گونجتی خاموشی نے ایک عجب وحشت سی ماحول میں پھیلا رکھی تھی۔ اپنے ارد گرد کے افراد اور ماحول سے بے نیاز وہ تیز قدموں سے چلتا جا رہا تھا۔ اندرون لاہور کی تنگ گلیوں سے ہوتے ہوئے وہ اب اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچا تھا۔ تیز رفتار سے چلنے کی وجہ سے سانسیں بے ربط اور اکھڑی ہوئی تھیں۔ مگر اسے کسی چیز کا خیال نہیں تھا۔ اگر تھا تو بس اس انسان سے ملنے کا جس سے ملنا اسے قسمت سے نصیب ہوتا تھا۔

اس نے ایک بار نگاہ اٹھا کر دائیں جانب دیکھا، کوئی ذی روح موجود نہیں تھا، اس نے مایوس ہو کر نظریں جھکا لیں۔

کچھ لمحے یوں ہی گزر گئے۔۔۔

ذرا دیر کے بعد اسے اپنے دائیں جانب سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔۔ دل میں دھڑکنوں نے تلاطم خیز طوفان برپا کیا اور دماغ نے بھی اس ہستی کے آنے کا اشارہ دیا جسے کچھ لمحے دیکھنے کی غرض سے وہ ایک ایک دن گن کر گزار رہا تھا۔

قدموں کی آواز ذرا مزید قریب سے آنے لگی تو اس نے کندھے پر لٹکائے پرس میں سے فون نکال کر بغیر اسے آن کیے اس کی سیاہ سکرین میں اپنا چہرہ دیکھنا چاہا۔ کونے میں جلتی سٹریٹ لائٹ کی مدھم روشنی میں اس کا چہرہ بھی نارنجی معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ پھیر کر پیشانی پر بکھرے بال درست کیے اور دوسرے ہاتھ سے دوپٹے کا پلو لے کر اپنا چہرہ ڈھک لیا۔ اسے اپنا چہرہ دکھانے میں کوئی عار نہیں تھی لیکن جس سے ملنے آیا تھا اس کی آبرو اسے ہر شے سے زیادہ عزیز تھی۔

اب وہ قدم اس کے بالکل قریب آ رکے تھے۔

اس نے گہرا سانس لے کر سامنے اپنے سے دو قدم دور کھڑی اس نوجوان لڑکی کو دیکھا۔ ایک سکون تھا جو اس کے پورے وجود میں بھرتا جا رہا تھا۔

"کیسے ہو بھیا؟" اس نے اپنی نرم مسکراتی آواز میں پوچھا اس کی آواز سنتے ہی اسے لگا جیسے اس کے سارے اذیت بھرے لمحوں کا ازالہ ہو گیا ہو۔

"بھیا؟ بولو نا کیسے ہو؟ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" اس لڑکی کے لہجے میں تشویش تھی، فکر تھی، پریشانی تھی۔ کیونکہ اب تک وہ اتنا تو اچھے سے پہچان چکا تھا کہ کون حقیقی معنوں میں اس کی فکر کرتا تھا اور کون محض دکھاوے یا مفاد کے لیے اس کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ زندگی نے اپنی کڑوی حقیقتیں اس پر کھول دی تھیں اور اس پر دوہرا ستم یہ کہ کسی اپنے یا کسی دوست کا ساتھ بھی میسر نہیں تھا۔

"میں ٹھیک ہوں اسما، تم کیسی ہو؟" وہ لمحوں بعد جب بولا تو آواز بھیگی ہوئی تھی۔

"بھیا رو نہیں، ورنہ تمہاری اسما ٹھیک کیسے رہے گی؟" اسما اس کا گلوگیر لہجہ محسوس کر کے ایک دم رنجیدہ ہوئی۔

"پگلی یہ تو خوشی کے آنسو ہیں، تم سے اتنے وقت کے بعد ملاقات ہو رہی ہے" اس نے اسے مسکرا کر دیکھا تھا۔ نارنجی رنگ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور وہ چہرہ مزید نکھرا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

"بھیا میرے بس میں ہوتا تو کبھی آپ سے دور نہ رہتی، وہ بھی ایک ایسی وجہ کی بنیاد پر جس پر آپ کا یا ہمارا کوئی اختیار ہی نہیں ہے" اسما نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں اسما، میں تمہیں یا گھر میں کسی کو بھی اس کا الزام نہیں دوں گا" اس نے دائیں کندھے پر لٹکے پرس کو ہاتھ میں پکڑا اور اس میں سے چاکلیٹس نکال کر اسما کے حوالے کر دیں۔

"بھیا یہ؟؟" وہ حیران ہو کر اپنے ہاتھ میں رکھی ان چاکلیٹس کو دیکھنے لگی۔

"یہ میں اپنی بہن کے لیے لایا ہوں" اس نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

پھر اچانک۔۔۔

اسما کے ہاتھ میں پکڑے فون پر کال آنے لگی، اس نے مارے خوف کے سامنے کھڑے بھائی کو دیکھا۔

"کہیں کسی کو پتہ تو نہیں چل گیا کہ میں آپ سے ملنے آئی ہوں؟" اسما کی آواز میں خوف واضح تھا۔

"تم بے فکر ہو کر کال رسیو کرو۔۔" اسے تو اس نے کہہ دیا تھا مگر خود کی بھی حالت اسما سے جدا نہ تھی۔ وہ کبھی بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے اس کی بہن پر کوئی بھی مشکل یا پریشانی آئے۔

جتنی دیر اسما کال پر رہی اس کے چہرے کے تاثرات بہت بگڑ چکے تھے اور اب اسما کے چہرے پر بھی پریشانی صاف ظاہر تھی۔۔

"بھیا۔۔ بابا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے" اسما نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

یہ الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ جو اس کے کانوں میں انڈیلا گیا تھا، اس کا چہرہ اس نارنجی روشنی میں بھی سفید پڑ گیا تھا۔

"کیوں؟ اچانک کیا ہوا؟" اس کے لبوں سے پھسلا۔

"وہ میرے سسرال والوں نے پھر جہیز کی ایک نئی ڈیمانڈ کر دی تھی نا۔۔ مجھے معلوم ہے بابا کو یہی پریشانی تھی، اس بار انہوں نے گاڑی مانگی ہے اور ان سے بحث کرتے ہوئے بابا کی حالت یہاں تک پہنچ گئی" اسما نے روتے ہوئے اسے بتایا۔

"تم فکر مت کرو۔۔ میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔۔ تمہارا بھائی ہے ابھی تمہارے ساتھ" اس نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا۔۔ رات کا یہ سناٹا آگے ان کے لیے کیا نیا طوفان لانے والا تھا وہ دونوں اس سے بالکل انجان تھے۔

☆☆☆☆☆

"تم" اس کے چچا اسے دور سے ہی دیکھ کر چیخے۔

وہ ان کو نظر انداز کرتے ہوئے ہسپتال کے کوریڈور میں بیٹھی اپنی ماں کی جانب آیا جو مسلسل روئے جا رہی تھیں۔ وہ ان کے قدموں میں گھٹنوں کے بل بیٹھا۔

"ماما" اس نے اتنی محبت سے ان کو پکارا کہ وہ بس اسے دیکھتی رہ گئیں کتنے برس کی تڑپ تھی اسے دیکھنے کی، اس کے لبوں سے ماما سننے کی۔۔ اسے پیار کرنے کی۔ کیا کرتیں وہ؟؟ آخر کو ماں تھیں۔۔

"بابا ٹھیک ہو جائیں گے ماما" اس نے پھر ایک بار محبت سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی بات پر وہ سر ہلا گئیں تھیں۔ کتنی دوریاں آ چکی تھیں ماں بیٹے کے اس رشتے میں۔۔

وہ صرف ان کی بدنامی کے خیال سے اپنے معمول کے کپڑوں کے بجائے پینٹ شرٹ پہن کر آیا تھا، چہرے پر میک اپ کا کوئی داغ دھبا نہیں تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کسی بھی طرح سے اس کے گھر والوں کی بے عزتی ہو۔۔

"کیا لینے آئے ہو تم یہاں؟ بھائی جان نے تم سے ہر تعلق توڑ دیا ہے کیا تم بھول گئے؟" چچا کے زہریلے الفاظ پر وہ ماں کو ایک بار مسکرا کر دیکھ کر اٹھ گیا تھا اب وہ اپنے چچا کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

"میں کچھ لینے نہیں آیا چچا، بس اپنے باپ کو ایک نظر دیکھنے، ماں کو حوصلہ دینے اور بہن کو سہارا دینے آیا ہوں، کچھ دیر میں چلا جاؤں گا" جتنا انہوں نے گرج کر پوچھا تھا اتنے ہی نرم لہجے میں اس کی طرف سے جواب آیا تھا۔

"سب جانتا ہوں میں، یہ ہمدردی کا ڈھونگ رچا کر واپس خاندان میں آنا چاہتے ہو" ان کے الفاظ پر اس کا دل ایک مرتبہ پھر ٹوٹا تھا اور بڑی شدت سے ٹوٹا تھا۔۔

"میں آپ کو کسی قسم کی وضاحت دینے کا پابند نہیں ہوں۔ پلیز یہاں تماشا مت بنائیں" وہ ان سے درخواست کرتے ہوئے بولا۔

ان کے غصے بھرے تاثرات اور بلند آواز پر وہاں موجود سٹاف ان کی جانب متوجہ ہو رہا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے پینٹ شرٹ پہننے یا چہرے سے میک اپ صاف کر لینے سے تمہاری اصل پہچان چھپ جائے گی؟"

صحیح کہتے ہیں تکلیف دینے والے تو بس اپنے ہوتے ہیں، غیروں کو کیا معلوم درد کہاں ہو گا؟

وہ چپ چاپ ایک کونے میں جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ایک نظر اس کی اپنی بہن اسما اور ماں پر پڑی تھی جو ایک دوسرے کے گلے لگی بیٹھی تھیں۔ اس سے پہلے وہ آگے بڑھ کر ان سے دو لفظ محبت سے ہمدردی کے بولتا آئی سی یو سے ڈاکٹر آتا دکھائی دیا۔

"ذوالفقار کے ساتھ کون ہے؟" اس نے دو قدم بڑھائے ہی تھے کہ چچا فوراً آگے ہوئے تھے۔

"میں ہوں" انہوں نے اس کے جانے سے پہلے ہی کہہ دیا تھا، اور کیوں کہا تھا وہ یہ بھی بخوبی جانتا تھا۔۔ اسے ایک لمحے میں سائیڈ پر کر دیا گیا تھا، اس کی موجودگی کو فراموش کر دیا گیا تھا۔ اس سے رشتہ تو یہ برسوں پہلے ہی توڑ چکے تھے۔۔ لیکن آج اس سے اپنے خاندان سے محبت، فکر کرنے کا حق بھی چھین لیا گیا تھا۔ کسی کو بھی خبر نہیں ہوئی تھی وہ کب ان سے دور ہو گیا تھا۔

ZOHA ASIF

☆☆☆☆☆

نام: حماد ذوالفقار

عمر: پندرہ برس

سکول: نیشنل ماڈل سکول

یہ اس کے سکول کا کارڈ تھا جو وہ شاید دو گھنٹوں سے ہاتھ میں پکڑے بیٹھا تھا۔ نظریں مسلسل اس کارڈ پر جمی تھیں لیکن ذہن۔۔ وہ شاید کسی اور ہی دنیا میں گردش کر رہا تھا۔۔

وہ کتنا خوش تھا اس زمانے میں، ذہانت اور خوبصورتی اللہ نے اسے خوب دی تھی، ہر ایک کا پسندیدہ ہر ایک کے دل پر راج کرنے والا وہ حماد ذوالفقار۔۔

مگر پھر۔۔۔ اس پر زندگی کی سب سے بڑی حقیقت کھلی۔۔

اسے لگتا تھا اسے ویسے ہی گلابی رنگ نیلے سے زیادہ اچھا لگتا تھا۔

کم از کم رنگوں پر تو صنف کا اتنا زور نہیں ہونا چاہیے۔

ڈر کے مارے اس نے کسی سے کہا نہیں۔۔

اسے لگتا تھا اسے بس یوں ہی اسما کی گڑیا اپنے ٹریکٹر سے زیادہ اچھی لگتی تھی مگر۔۔ کیا معلوم اس معاشرے میں بچوں کے کھلونے اور دلچسپیوں سے یہ اندازہ لیا جاتا ہے کہ وہ کتنی عزت کے حق دار ہیں، اور ہیں بھی یا نہیں؟

پھر اسے لگا اسے ویسے ہی گلی میں کرکٹ کھیلنے سے زیادہ ماما کے ساتھ کھانا پکانا اچھا لگتا ہے مگر وہ معصوم کہاں جانتا تھا کہ یہاں کاموں کو بھی صنف کے حساب سے بانٹا جاتا ہے۔

تم مرد ہو تو سودا سلف لاؤ

تم عورت ہو تو ہانڈی روٹی کرو۔

وہ تو بچہ تھا یہ سب باتیں اور ان کی گہرائی نہیں سمجھتا تھا۔

جانے انجانے میں دن بیت ہی رہے تھے کہ سکول کے لڑکے جو اس کے لڑکیوں جیسے شوق رکھنے پر "چھکا" کہہ کر چھیڑتے تھے، ایک دن یوں ہی اس کے گھر کی گلی تک آ کر یہی لفظ دہرانے لگے، وہ ڈر کر اوپر والے کمرے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

کتنی ہی دیر وہ وہیں گم سم بیٹھا رہا۔

جانے کہاں سے اس کے بابا کو معلوم پڑا۔

اسے آج بھی یاد تھی وہ قیامت شب جس کے بعد اس کی زندگی جہنم بن گئی۔۔۔

"حماد آج میں تم سے ہمارے خاندان کے سارے رشتے ختم کرتا ہوں" یہ ذوالفقار کی کانپتی ہوئی آواز تھی جو خاموش کمرے میں گونجی تھی۔

"مگر۔۔۔ بابا اس میں میرا قصور کیا ہے؟" اس نے اپنے حق میں ایک بار آواز اٹھائی تھی مگر ذوالفقار کا جواب سن کر اس کا جی ہی نہیں چاہا تھا بحث کرنے کا۔

"اس میں ہمارا بھی کوئی قصور نہیں ہے، ہم نے تمہیں ہر خوشی دی، ہر فرمائش پوری کی، ہر ذمہ داری پوری کی مگر تم نے۔۔۔ تم نے آج ہمارا نام مٹی میں ملا دیا ہے۔۔ میری عزت دو کوڑی کی کر دی ہے تم نے حماد۔۔۔ تم نے مجھے کہیں منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا" ان کے الفاظ تھے یا کوئی خنجر جو حماد کے سینے پر زخم پر زخم دیتے جا رہے تھے۔۔ اور وہ بھی گہرے زخم۔۔ جو شاید کبھی بھرنے والے نہیں تھے۔۔

"بابا" اس نے آخری بار بڑی امید بڑی محبت سے انہیں پکارا تھا۔

وہ انہیں بتانا چاہتا تھا کہ یہ جنسی کمزوری اس کی وجہ سے نہیں تھی، یہ تو اس کے رب کی تقسیم تھی، اس پر الگ جنس بنانا لوگوں کا کام تھا اللہ اور اس کے رسول کا نہیں مگر وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

اس نے نم آنکھوں سے اپنے باپ کو دیکھا جس کا چہرہ آج ضرورت سے زیادہ بوڑھا محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے انہیں کندھے سے تھام کر حوصلہ دینا چاہا مگر اس کا ہاتھ مس ہونے سے پہلے ہی جھٹک دیا گیا۔

"مت کہو بابا مجھے، نہیں ہوں میں تمہارا باپ۔۔ مر چکے ہو تم میرے لیے" ان کے اتنے تلخ الفاظ و انداز پر وہ مر ہی تو گیا تھا۔ زندگی بچی کہاں تھی اس میں۔۔۔ اسے جیتے جی مار دیا گیا تھا۔۔ اب تو دنیا میں بس اس کا وجود زندہ تھا۔۔ روح کو زندہ رکھنے والی زندگی تو اس میں بچی ہی نہیں تھی۔۔

"سنا نہیں تم نے؟ جاؤ یہاں سے! تم سے سب رشتے ختم کر چکے ہیں بھائی جان" چچا نے اسے گھر سے باہر نکالتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ میٹرک کا بچہ کہاں جائے گا؟ رہے گا کہاں؟؟ کھائے گا کیا؟ کیسے زندہ رہے گا؟ زندہ رہے گا بھی یا نہیں۔۔ یا اپنوں کے، زمانے کے، معاشرے کے، لوگوں کے زخم سہتا سہتا مر جائے گا؟

"چچا پلیز ایسا مت کریں۔۔ میں کہاں جاؤں گا؟" حماد ان کے قدموں میں بیٹھے گڑگڑایا تھا مگر انہیں اس پر کوئی رحم نہیں آیا تھا۔۔

"یہ سب تمہیں خواجہ سرا ہونے سے پہلے معلوم ہونا چاہیے تھا۔ ہماری عزت خاک میں ملا دی تم نے حماد۔۔ ہمیں کسی لائق نہیں چھوڑا" چچا کے الفاظ پر اس نے اپنا بھیگا ہوا چہرہ اٹھا کر ماں کو دیکھا۔۔

جو اپنے آنسو پیتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہی تھیں، وہ ماں تھیں، اسے گلے سے لگانا چاہتی تھیں مگر۔۔۔ مجبور تھیں۔

بہن کو دیکھا جو اتنی چھوٹی اور معصوم تھی کہ معلوم ہی نہیں تھا کیا قیامت تھی جو ان کے گھر پر آ چکی تھی۔

فون پر بجنے والی میسج کی گھنٹی اسے ماضی کے اندھیروں سے حال میں کھینچ لائی تھی۔

اسے زندگی میں کبھی اپنا آپ اتنا غیر ضروری نہیں محسوس ہوا تھا جتنا آج ہو رہا تھا۔۔

اس کے ذہن میں بہت سے سوال تھے مگر جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔

کوئی نہیں تھا جو اسے سمجھتا، جو اس کا ساتھ دیتا۔ جو اس سے محبت کرتا۔

وہ اکیلا رہ گیا تھا۔۔ زندگی کی اس دوڑ میں وہ بہت اکیلا اور تنہا رہ گیا تھا۔۔

☆☆☆☆☆

وہ جانتا تھا آج اسے دیکھ کر اس کے گھر والوں اور محلے والوں کا کیا ردِ عمل ہونے والا تھا لیکن اتنے سالوں میں شاید وہ اس سب کا عادی ہو چکا تھا۔۔

سبز رنگ کی شلوار قمیص اور گلابی رنگ کا آنچل چہرے پر معمول کے مطابق میک اپ اور پیروں میں سینڈل۔۔ آج اس میں اتنی ہمت تھی کہ وہ اپنی یہ پہچان دنیا کے سامنے بغیر خوف وڈر کے لا سکتا۔

اس کے کانوں میں مختلف سرگوشیاں گونج رہی تھیں۔۔ وہ انہیں نظر انداز کرتا آگے کی جانب قدم بڑھاتا گیا۔

اس کا رخ اس گلی کے کونے میں بنے اپنے اس آبائی گھر کی جانب تھا جسے چھوڑے ہوئے اسے آج نہ جانے کتنے سال ہو گئے تھے۔۔

اسے اپنے اوپر پڑتی لوگوں کی ملامت بھری نظریں اور ان کی طنزیہ چہ می گوئیاں خوب سنائی دے رہی تھیں مگر۔۔ وہ بے حس بنا، ڈھیٹ بنا سب سن رہا تھا۔۔ دینے کو اس کے پاس جواب تھے مگر۔۔ جب لوگوں میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ اس کے منہ پر اسے طعنے سناتے۔۔ وہ کیوں انہیں جواب دیتا؟

آج بھی اس کے چہرے پر وہی ایک خاص رعب تھا جس کے باعث کوئی اس سے براہِ راست بات کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

اب منظر بدل چکا تھا، اب وہ اپنے اس گھر کے اندر موجود تھا۔۔

اس کا باپ سامنے بستر پر لیٹا ہوا تھا، چچا اور ماں ساتھ رکھی کرسیوں پر براجمان تھے۔ اور اسما وہ بس بھائی کے آتے ہی اس کے گلے لگ گئی تھی۔

"کیا لینے آئے ہو اب تم؟" چچا کی برہم آواز پر اس نے ایک نگاہ چچا کے چہرے پر ڈالی اور پھر ایک نرم محبت سے بھرپور نگاہ اٹھا کر سامنے پلنگ پر لیٹے اپنے ضعیف باپ پر ڈالی۔

وہ کتنے کمزور کتنے بوڑھے ہو چکے تھے اب تک!

اسے یوں لگا جیسے نہ جانے کتنی صدیوں بعد اس نے اپنے باپ کا چہرہ دیکھا تھا۔

"بابا" اس کے لبوں سے پھسلا۔ لفظ ایک تھا مگر احساسات ان گنت تھے۔ محبت، شدت، چاہت، انسیت، غم، تکلیف، اذیت۔۔

ان کی آنکھیں کھلی تھیں۔ مگر یہ کیا یہاں وہ ہمیشہ والا رعب غصہ نہیں بلکہ بیٹے کی محبت بول رہی تھی۔

ان کی آنکھیں لمحوں میں اشکوں سے بھری تھیں۔

"کیسے ہیں اب آپ؟" وہ محبت سے پوچھتا ان کے قریب بیڈ پر بیٹھا تھا۔ چچا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے نکال باہر کرتا مگر بھائی جان کی حالت کے باعث خاموشی سے سب دیکھ رہا تھا۔

"میں شرمندہ ہوں" بڑے ٹوٹے ٹوٹے سے الفاظ تھے جو ان کے کپکپاتے لبوں سے آزاد ہوئے تھے۔

"آپ کو شرمندہ نہیں ہونا چاہیے" اس نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر کہا تھا۔ وہ نم آنکھوں سے ان کا بوڑھا، جھریوں سے بھرا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"مگر۔۔بیٹے۔۔" وہ کچھ کہنا چاہتے تھے، شاید یہ وہ دکھ تھا جو اتنے برسوں میں وہ کبھی کسی سے بانٹ نہیں سکے تھے۔

"اس میں آپ کی غلطی نہیں ہے بابا۔ اس میں میری بھی غلطی نہیں ہے، یہ غلطی ہمارے معاشرے کی ہے، ہمارے لوگوں کی ہے، ہمارے لوگوں کی سوچ کی ہے۔"

وہ ان کا ہاتھ تھامے نرمی سے کہہ رہا تھا، ذوالفقار نے بھیگی آنکھوں سے اپنے بیٹے کے چہرے کو دیکھا تھا جہاں وہ پندرہ سال کے بچے والی شرارتی مسکان کہیں نہیں تھی، بلکہ ایک خوفناک سنجیدگی تھی۔

"حماد تماشا مت بناؤ جاؤ یہاں سے سب محلے والے دروازے کی اوٹ سے دیکھ رہے ہیں" چچا دبے ہوئے لہجے میں غرائے تھے۔ ان کے یوں کہنے پر اسما نے انہیں افسوس سے دیکھا تھا۔

"واہ۔۔ چچا ابھی بھی فکر ہے تو صرف لوگوں کی اپنوں کی نہیں؟" اسما کی آواز سن کر سب نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔

اس کے تلخ لہجے پر چچا اسما کو گھور کر دیکھنے لگے۔

"بھیا جو ہیں جیسے بھی ہیں، اس میں ان کا کیا قصور ہے؟" مارے جذبات کے اس کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی، اتنی بلند کہ کمرے سے باہر آنگن میں جمع ہوتے لوگ بھی با آسانی اس کی آواز سن پا رہے تھے۔

"اسما چپ کرو تم" چچا نظریں پھیرتے کہہ رہے تھے۔

"کیوں چپ کروں میں؟ یہ خاموشی کی ہی تو سزا ہے جو میں نے بڑی چھوٹی عمر سے کاٹنا شروع کی ہے چچا۔۔" اسما کی آنکھیں اب بھیگنے لگی تھیں۔ حماد نے اسما کو دیکھا تھا جس کا چہرہ تکلیف کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔

"اسما" حماد کی ماں نے اسے بازو سے تھاما مگر وہ چھڑا کر چچا کے آگے براہِ راست کھڑی ہوئی۔

"اگر بابا نے۔۔ آپ کے، آپ کے خاندان اور ان لوگوں کے ڈر سے بھیا کو نہ چھوڑا ہوتا تو آج ایسے نہ ہوتا چچا" وہ مارے اذیت کے چیخی تھی۔

حماد نے آگے بڑھ کر اسے تھاما تھا، اس کا لمس محسوس کرتے ہی وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

"آپ تو بھیا کو نکال کر ایک طرف ہو گئے چچا۔۔۔ میں نے دیکھی ہیں وہ بدترین سیاہ راتیں جو اس رات کے بعد سے ہمارے گھر کا مقدر بن گئیں، میں نے دیکھی ہے اپنی ماں کے چہرے پر رہنے والی ازلی اُداسی، میں نے دیکھا ہے اپنے بابا کو وقت سے پہلے بوڑھا ہوتے، میں نے دیکھی ہے ان کی ان کہی تکلیف۔۔ تب آپ کہیں نہیں تھے۔۔ تب یہ لوگ کہیں نہیں تھے چچا۔۔ تب ہم تھے۔۔ صرف ہم تھے ایک دوسرے کے ساتھ۔۔ کوئی لوگ، معاشرہ خاندان نہیں تھا!" وہ روتے روتے چیخ رہی تھی، چھوٹے سے محلے کے لوگ اس آنگن میں اب پہلے سے زیادہ اکھٹے ہوتے جا رہے تھے۔

چچا نے نگاہیں پھیری تھیں، وہ خاموش کھڑے تھے یا پھر اس کے سوالات کا جواب ان کے پاس تھا ہی نہیں۔

"کیوں چچا؟ جب اللہ نے انٹر سیکس لوگوں کے لیے الگ جنس نہیں بنائی تو آپ یا میں کون ہوتے ہیں انہیں الگ جنس شمار کرنے والے؟" اس کی برداشت کی حد تھی جو آج ختم ہو چکی تھی۔

اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔

ZOHA ASIF

حماد نے آگے بڑھ کر اس کا چہرہ صاف کیا تھا۔ وہ اسے مزید رونے نہیں دینا چاہتا تھا مگر وہ تھی کہ اتنے سالوں کا غصہ، دکھ تکلیف باہر نکال دینا چاہتی تھی۔

"چچا۔۔ آپ جانتے ہیں یہ بھی ایک قسم کی معذوری ہی ہے، جیسے کوئی انسان پیدائشی طور پر اندھا، گونگا بہرا ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح۔ جب ہم لوگ معذور اپاہج لوگوں کو قبول کر لیتے ہیں، انہیں پھر بھی مارجن دے دیتے ہیں، تھوڑا ہی

سہی مگر جینے دیتے ہیں تو بھیا اور بھیا جیسے اور لوگوں کے ساتھ اتنی زیادتی کیوں کی جاتی ہے؟؟" اسما نے انہیں دیکھا تھا، وہ جانتی تھی وہ اچھا خاصا تماشا لگا چکی تھی مگر اس کے نزدیک یہ بہت ضروری تھا، ان تماشا دیکھنے والوں نے اس کی اور اس کے ماں باپ کی وہ تکلیف نہیں دیکھی تھی جس کے وہ برسوں سے شکار تھے۔

وہ اسما کو لیے باہر آیا تھا پانی پلانے مگر وہاں ایک جمِ غفیر دیکھ کر چونکا تھا۔ اسے دیکھ کر پھر سے اونچی اونچی سرگوشیاں اور چہ می گوئیاں شروع ہوئی تھیں۔

"خواجہ سرا ہوتے انسان ہیں، ان کا جسم بھی انسانوں کے جیسے ہوتا ہے، ان کے جذبات بھی انسانوں کے جیسے ہوتے ہیں مگر انہیں آپ سے مختلف کیا چیز بناتی ہے؟"

وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہو کر ان سب کو دیکھنے لگا جن کی زبانوں پر جیسے تالے لگ چکے تھے۔

"آپ کی سوچ!"

"یہ آپ کی سوچ ہے جو خواجہ سراؤں کو خواجہ سرا بناتی ہے۔ کیا کسی اور کو ایسے گھروں سے نکالا جاتا ہے، رشتے توڑے جاتے ہیں، جائیدادوں سے بے دخل کیا جاتا ہے جیسے ہمیں کیا جاتا ہے؟

کیا ان کے لیے بھی الگ کمیونٹی تشکیل دی جاتی ہے؟؟"

اس کے سوالوں کا اس ہجوم میں کھڑے ایک بھی انسان کے پاس جواب نہیں تھا۔

"جس دن آپ کی سوچ ترقی کرنے لگے گی نا اس دن یہ ملک ترقی کرنے لگے گا" وہ تلخ لیکن بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ ایک طوفان تھا جو ان لوگوں کے دماغوں میں برپا ہوا تھا۔ افسوس تھا تو بس اتنا کہ یہ جذباتی سوچ اور طوفان محض کچھ لمحوں کا تھا، یہ کچھ دیر میں ختم ہونے والا تھا۔

☆☆☆☆☆

سب لوگ چلے گئے تو وہ اسما سے مخاطب ہوا جو اپنے بابا کے سینے سے لگی بیٹھی تھی۔

"اسما تم میں تمہارے بھائی کی جان بستی ہے، کبھی کسی معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اور رہی بات تمہارے سسرال والوں کی نئی ڈیمانڈ کی تو میں نے تمہارے لیے نئی گاڑی کا بندوبست کر دیا ہے، ایک ہفتے میں تمہیں وہ مل جائے گی مگر میری بھی ایک شرط ہے" اس کی بات پر سب ساکت ہوئے تھے۔۔

"کیسی شرط۔۔؟"

"گاڑی تمہارے نام ہو گی۔ اس کو چلانے کا، کسی کو دینے نہ دینے کا سارا اختیار تمہارے پاس ہو گا۔ وہ تمہاری ملکیت ہو گی، کوئی بھی شخص تم سے زبردستی نہیں چھین سکے گا اور اگر کوئی تمہیں ذرا سا بھی پریشان کرے، تو سیدھا اپنے بھائی کے پاس آنا ہے۔"

اس نے اپنی ماں کو دیکھا جس کا پورا چہرہ بھیگ چکا تھا۔

"ویسے تو میں اس حق میں نہیں ہوں کہ آپ لوگ میری بہن کا رشتہ کسی ایسے گھرانے میں کریں جہاں لڑکی سے زیادہ اہمیت ان مادی اشیاء کی ہو، مگر آپ لوگوں نے نہ مجھ سے کوئی مشورہ مانگا ہے اور نہ مجھے ایسا کوئی حق دیا ہے اس لیے میں کچھ بھی نہیں بولوں گا"

ZOHA ASIF

وہ اپنی بات کہہ کر جانے ہی لگا تھا کہ چچا کے سوال نے اس کے باہر جاتے قدم روک لیے تھے۔

"اتنا پیسہ تمہارے پاس آیا کہاں سے؟"

یہ وہ چبھتا ہوا سوال تھا جو کب سے انہیں پریشان کیے جا رہا تھا۔ حماد ان کے سوال پر محظوظ ہوا تھا جیسے یہ سوال متوقع تھا۔

"جہاں آپ جیسے لوگ ہمیں اپنے گھروں میں رہنے نہیں دیتے، کاروبار میں بھی حصہ نہیں دیتے کیونکہ وہی ذلت رسوائی کا مسئلہ آجاتا ہے نا"

اس نے لمبا سانس خارج کیا تھا۔

"مگر۔۔ اسی دنیا میں آپ لوگوں کے برعکس کچھ نیک لوگ ایسے بھی ہیں جو ہم جیسے بے سہارا لوگوں کا سہارا بنتے ہیں، ہمیں ہنر سکھاتے ہیں اور ہمیں اس قابل بناتے ہیں کہ ہم اپنا بوجھ خود اٹھا سکیں ایسے ہی ایک قابلِ تعریف انسان ہیں شاہ صاحب جنہوں نے نہ صرف ہمارے اندر کے ہنر پر کام کیا بلکہ ہمیں وہ چیزیں سکھائیں جن کی بدولت ہمیں دوسرے خواجہ سراؤں کی طرح سڑکوں پر بھیک نہیں مانگنی پڑتی، بلکہ ایک عمارت میں ہم ساتھ رہتے ہیں، ساتھ کھاتے ہیں اور ساتھ کماتے ہیں۔ شکر ہے اللہ کا وہ جس حال میں بھی رکھے!"

اس کے چچا ابھی بھی خوں خوار نظروں سے دیکھ رہے تھے جانے ان نظروں میں جلن تھی یا حسد یا کوئی اور احساس وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ وہ انہیں یوں ہی کشمکش میں چھوڑے اسما کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر وہاں سے نکلا تھا۔ مگر جاتے جاتے سب کی آنکھیں نم کر گیا تھا۔

ZOHA ASIF

☆☆☆☆☆

وہ تنگ گلیاں جو کبھی انہیں ڈراتی تھیں آج وہ وہیں سے گزر کر اپنے گھر کی طرف بے خوفی سے جا رہا تھا، آج اسے کسی قسم کا کوئی ڈر نہیں تھا کہ کوئی اسے چھیڑے گا، اسے تنگ کرے گا یا گالی دے گا۔

آج اس کا دل ہر طرح کے خوف سے آزاد تھا۔

اس نے مسکرا کر پان والے کو سلام کیا جس پر وہ یوں دیکھنے لگا جیسے جانے کیا بھونچال آ گیا ہو۔

اس کی پریشانی اور الجھن دیکھ کر وہ مسکرا دیا تھا۔

ایسے ہی مسکراتے سب کو سلام کرتے وہ اپنی اس بلڈنگ کے سامنے کھڑا تھا، سامنے ہی شاہ صاحب اپنی وہیل چیئر پر کوئی کتاب پڑھتے دکھائی دیے تھے۔

وہ مسکرا کر ان کے گلے لگا، اس کے یوں والہانہ انداز پر شاہ صاحب مسکرا دیے تھے۔

"لگتا ہے کوئی جنگ جیت آئے ہو سکندر" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"زندگی کی جنگ جیت آیا ہوں ابا" اس نے یوں ہی ان کے سینے سے لگے کہا تھا۔

"تو تمہاری حقیقت تسلیم کر لی گئی؟ تمہیں انسان سمجھنے لگے وہ؟" ان کے سوال پر وہ ان سے الگ ہوا تھا۔

"میں نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ بھائی بہنوں کے لیے غیرت کھاتے ہیں، مگر آج میری بہن نے اپنے بھائی کے لیے غیرت دکھائی ہے ابا، اس نے ان تمام لوگوں کو جواب دیا۔۔ جو میں آج تک نہیں کر سکا" وہ نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ شاہ صاحب اس کی بات سن کر مسکرا دیے تھے۔

"شکر ہے کہ بدلاؤ کا ایک بیج تو بو دیا گیا ہے، امید ہے کہ مستقبل میں یہ گھنا پیڑ بنے گا اور تمہیں اور تم جیسے تمام لوگوں کو اللہ کی مخلوق سمجھا جائے گا" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

حماد نے آنکھوں میں نمی لے کر انہیں دیکھا تھا اور پھر ان کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موند لیں، وہ بھی مسکرا کر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگے تھے، بہت سالوں کی تکلیف تھی جو حماد نے سہی تھی، اور وہ اکیلا نہیں تھا ان کی یہ بلڈنگ ایسے بہت سے انسانوں اور ان کی درد بھری داستانوں کا بوجھ اٹھائے کھڑی تھی جس کی کسی کو خبر نہیں تھی!

تمت بالخیر۔